OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

مستشرقین کے بارے میں سید ابوالحسن علی ندوی کے نقطۂ نظر کا مطالعہ

A Study of Syed Abul *Ḥassan Alī Nadvī's* views on Orientalists

Dr. Samina Saadia
Assistant Professor, Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore
Dr. Farhat Aziz
Associate Professor, Govt. Graduate College for Women, Wahdat Colony, Lahore
Talib Ali Awan
Doctoral Candidate Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat

Abstract

Syed Abu Al-Hassan Ali Nadwi was known as one of the great personalities. His scholarly and literary research and authorship services are considered in the Islamic world. The Allah Almighty had endowed him with innumerable virtues and attributes. 'Maulana Ali Nadwi sincerely believed that the real threat to the modern world, especially the Muslim world, is neither the lack of material development nor the political disturbances, rather it's the moral and spiritual decline. He firmly believed that Islam alone has the ability to overturn this and thus Muslims must wake up to make an effort in this regard. Syed Abu Al-Hasan Ali Nadwi's emphasized to study the Western thoughts about Islam in present era. So in his valuable writings he has narrated the achievements of Orientalists to the Islamic branches of learning. According to him it would be sheer injustice if one were to deny the fact that numerous valuable manuscripts, historical documents and source materials on important topics have seen the light of the day through their efforts. It is also a reality that their endeavors is to create doubts about Islam and its law and culture in the minds of the Muslims especially youths. In this situation it is the duty of Muslims scholars that they should produce original work on different topics in keeping with the norms of modern scholarship so as counteract the negative influences exerted by the Orientalists as well as to provide the Muslim world with correct, authentic and

dependable facts and concepts relating to Islam. This article will provide a comprehensive overview on Syed's perspectives and opinions about the Orientalists.

Keywords: Orientalists, criticism, Syed Abu Al-Hassan Ali Nadwi, methedology

تمہید

سید ابوالحسن علی ندوی کا شمار ہندوستان کے عبقری علماء و مفکرین میں ہوتا ہے۔ آپ نے متعدد و متنوع موضوعات پر اردو ،عربی، انگریزی اور جرمن زبان میں عدیم النظیر تصانیف تحریر فرما کر امّتِ مسلمہ کو ایک بیش بہا خزانے سے نوازا ہے۔ آپ کے اندر امّت کی اصلاح اور انہیں صراط مستقیم پر گامزن رکھنے کی ایک درد اور تڑپ موجود تھی جس کا اندازہ آپ کی تحاریر سے ہوتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کو ان کے شاندار ماضی کی یاد دلاتے ہوئے حال کی پستی اور کم مائیگی سے نجات پانے کے لیے ان سبلِ سلام کی نشاندہی کی ہے جن پر چل کر وہ مستقبل میں اسلام کا سرمایۂ افتخار بن سکتے ہیں۔ مغرب سے اٹھنے والے الحاد اور دہریت کے طوفان نے کس طرح مشرق کو اور بالخصوص ممالکِ اسلامیہ پر اپنے گمراہ کن اثرات مرتب کیے ہیں کہ جس کی وجہ سے مسلمان، بالخصوص امّت کا نوجوان طبقہ دینِ اسلام کے اصول و مبادی کے بارے میں شکوک و ارتیاب کا شکار ہو چکا ہے۔ سید ابوالحسن ندوی کے مطابق نوجوانوں کے قلب و دماغ میں شبہات کی آبیاری کی ایک بڑی وجہ مغربی مصنفین اور مستشرقین کی وہ کتب ہیں جو انہوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارے میں لکھیں۔ آپ نے مستشرقین کی خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کے دجل و فریب اور دسیسہ کاریوں کو بھی آشکارا کیا ہے۔ مستشرقین کے بارے میں آپ کے نقطۂ نگاہ کو درج ذیل نکات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے۔

مستشرقین کی تعریف

مستشرقین کون ہوتے ہیں؟ ان کا کام کیا ہے؟ اور انہیں مستشرقین کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں علامہ سید ابوالحسن ندوی رقم طراز ہیں: "دماغوں میں اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی، اس کے حال کی طرف سے بیزاری، اس کے مستقبل کی طرف سے مایوسی، اسلام و پیغمبر اسلام اور اسلامی ماخذ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور 'اصلاح مذہب" اصلاح قانون اسلامی" کے اس طرز پر آمادہ کرنے میں جس کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے، بہت بڑا حصہ ان علمائے مغرب کا ہے جنہوں نے اسلامیات کے مطالعہ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں اور ان کو عام طور پر مستشرقین کہا جاتا ہے، اور جو اپنے علمی تبحر، تحقیقی انہماک اور مشرقیات سے گہری واقفیت کی بنا پر مغرب و مشرق کے علمی و سیاسی حلقوں میں بڑی عظمت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور ان مشرقی اسلامی مباحث و مسائل میں ان کی تحقیق و نظریات کو حرفِ آخر اور قولِ فیصل سمجھا جاتا ہے۔"[1]

تحریکِ استشراق کے مقاصد

سید ابوالحسن علی ندوی کے مطابق استشراق کی تحریک بہت پرانی ہے۔ اس کا آغاز تیرھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ امتِ مسلمہ کے خلاف اس تحریک کے پیشِ نظر کئی مقاصد تھے۔ یہ مقاصد دینی، سیاسی اور اقتصادی ہر اعتبار سے تھے۔ ان مقاصد کا مختصر تذکرہ پیشِ نظر ہے۔"أما العامل الديني فواضح لا غموض فيه، وهو يهدف الى نشر الديانة

المسيحية وتبليغ دعوتها، ....وهي لا شق وسيلة لتجارة رابحة،وكسب أموال الخطيرة."[2]" جہاں تک دینی محرک کا تعلق ہے تو اس کا بڑا مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت و تبلیغ اور اسلام کی ایسی تصویر پیش کرنا ہے کہ اس سے مسیحیت کی برتری اور ترجیح خود بخود ثابت ہو اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو، چنانچہ اکثر استشراق اور تبلیغ مسیحیت ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔" سیاسی مقصد یہ ہے کہ یہ مستشرقین عام طور پر مشرق میں مغربی حکومتوں اور اقتدار کا ہر اول دستہ رہے ہیں، مغربی حکومتوں کو علمی کمک اور رسد پہنچانا ان کا کام ہے، وہ ان مشرقی اقوام کے رسم و رواج، طبیعت و مزاج، طریق ماند و بود اور زبان و ادب، بلکہ جذبات و نفسیات کے متعلق صحیح اور تفصیلی معلومات بہم پہنچاتے ہیں تاکہ ان پر اہل مغرب کو حکومت کرنا آسان ہو۔ تحریک استشراق کا ایک مقصد اقتصادی بھی ہے، بہت سے فضلاء اس کو ایک کامیاب پیشہ کے طور پر اختیار کرتے ہیں، بہت سے ناشرین اس بنا پر کہ ان کتابوں کی جو مشرقیات اور اسلامیات پر لکھی جاتی ہیں یورپ اور ایشیا میں بڑی منڈی ہے۔ اس کام کی ہمت افزائی اور سرپرستی کرتے ہیں، اور بڑی سرعت کے ساتھ یورپ و امریکہ میں ان موضوعات پر کتابیں شائع ہوتی ہیں جو بہت بڑی مالی منفعت اور کاروبار کی ترقی کا ذریعہ ہیں۔ مستشرقین کا یورپ و امریکا میں ایک پورا لشکر تھا اور اس کو ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی، انہوں نے اپنی پوری ذہانت صرف کر دی ایسی کتابوں کے لکھنے میں جس میں صاف صاف اسلام پر حملہ نہ کیا جائے، ان کی ذہانت اور سمجھنے کی بات تھی کہ اسلام پر حملہ اگر ہو گا تو ایک مقابل طاقت پیدا ہو جائے گی، اس میں ایسا ہو کہ لوگ پڑھ کر دلائل کی روشنی میں (جو چالاکی کے ساتھ کتاب میں شامل کیے گئے ہیں) کتاب الہی کے بارہ، میں حدیث کے بارہ میں، علم فقہ کے بارہ میں علم کلام کے بارہ میں پھر آخری درجہ میں اپنی تہذیب و معاشرت کے بارہ میں احساس کہتری کا شکار ہوں۔[3]

مستشرقین کی علمی خدمات کا اعتراف

تحقیقی اور تصنیفی کاموں پر نقد و تبصرہ کے بارے میں میں سید ابوالحسن علی ندوی کی رائے ہے کہ کسی بھی شخص خواہ وہ کسی مذہب یا مکتب فکر کا ہو اس کے تحقیقی کام پر پر تبصرہ کرتے ہوئے اختلاف رائے کے اظہار، یا تردید و تغلیط کے لیے علمی اسلوب اور متوازن تنقید کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین کے تحقیقی کاموں کے بارے میں بھی ان کی یہی رائے ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:" اس حقیقت کا اعتراف ایک صاحب علم کا علمی و اخلاقی فرض ہے کہ متعدد مستشرقین نے اسلامی علوم کے مطالعہ میں اپنی ذہنی و علمی صلاحیتوں کا فیاضانہ استعمال کیا، انہوں نے اس کام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، ان میں سے بہت سے فضلاء نے مشرقی اور اسلامی علوم کا موضوع سیاسی، اقتصادی، اور مشنری اغراض و مقاصد کے ماتحت نہیں بلکہ محض شوق علم اور جذبہ بحث و تحقیق کی خاطر اختیار کیا، اور اس کام میں خاصی جگر کاوی اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا۔ یہ ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہو گی کہ ان کے اس پہلو کا اظہار و اعتراف نہ کیا جائے، ان کی کوششوں سے بہت سے نادر اسلامی مخطوطات جو صدیوں سے سورج کی روشنی سے محروم تھے نشر و اشاعت سے آشنا ہوئے۔[4] ایک اور مقام پر مستشرقین کی علمی خدمات کا تعارف پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" صدیوں کی ذخیرہ شدہ قلمی کتابیں جن کو سورج کی روشنی نہیں لگی تھی، ان مستشرقین نے انھیں زندہ کیا، ان کی تصحیح پر محنت صرف کی ان کو اصل ماخذ سے ملایا اور پھر شائع کیا، اسی طرح ایسی کتابیں مرتب کیں جن کی قدر و اہمیت کا انکار ممکن نہیں اور کوئی شخص بھی جس میں ذرہ برابر انصاف کا مادہ اور علمی ذوق ہے، ان کی علمی روح کا انکار نہیں کر سکتا، انھوں نے اس راہ میں جو مشقتیں برداشت کیں اور اپنی کوشش میں وہ جس طرح سرگرداں، پھر ان کا عالمانہ طرز، باریک بینی اور

گہرائی کوئی بات بھی ان میں سے قابلِ فروش نہیں۔"[5] مستشرقین میں سے ایسے مصنفین بھی گزرے ہیں جنہوں نے مثبت سوچ اور علمی جذبے اور شوق و شغف کے ساتھ تصانیف تحریر کیں۔ان کی علمی کاشیں ایک طویل مضمون کی محتاج ہیں۔ سید ابوالحسن علی ندوی نے ان میں سے چیدہ چیدہ مصنفین اور ان کی کتب کا تذکرہ کیا ہے۔ان میں پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ کی قابلِ قدر کتاب (The Preaching of Islam) ،اسٹینلے لین پول کی(Saladin) یعنی سلطان صلاح الدین ایوبی،اور (Moors in Spain) ،یعنی'عرب اندلس میں'بڑی حد تک منصفانہ تحقیقات ہیں۔ڈاکٹر اسپرنگر نے ابنِ حجرؒ کی مشہور کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" کو ایڈٹ کیا، ایڈورڈ ولیم نے Arabic and English lexicon کے نام سے عربی و انگریزی ڈکشنری مرتّب کی۔اے۔جے ونسنک نے آئمہ محدثین کی حدیث و سیرت و مغازی پر مشتمل 14 کتابوں سے تخریج احادیث کے لیے بڑا ہی مفصل انڈکس تیار کیا ہے۔اسی مستشرق نے "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی" احادیث نبوی کے الفاظ کی ڈکشنری کی ترتیب میں بھی نگرانی کا کام انجام دیا ہے جس کی ترتیب و تالیف میں کئی مستشرق اور محققین شامل تھے اور جی لی اسٹرنج کی کتاب Lands of the Eastern Caliphate گرانقدر کتاب ہے۔سید ابوالحسن علی ندوی کے بقول:"یہ تمام تصنیفات اور علمی و تحقیقی کوششیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ان مصنفین و مرتبین نے جدوجہد میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی،اور اس طویل جاں گسل مطالعہ،اور کاوش بحث و تحقیق میں اپنے موضوع کے ساتھ خلوص وانہماک کا پورا ثبوت دیا ہے۔"[6]

مستشرقین کے دجل وفریب کی نشاندہی

انیسویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کا زمانہ مسلمانوں اور مستشرقین دونوں کے اعتبار سے خاصی اہمیت رکھتا ہے۔اس دور میں تحریک استشراق کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔مستشرقین کے مطالعہ تحقیق و تدقیق کا دائرہ وسیع ہو گیا۔قدیم عربی مآخذ کی تلاش اور ان کی تدوین کے سلسلے میں انہوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں،لیکن اس تبدیلی کے باوجود ان کے اصل مقاصد وہی رہے جو سترھویں اور اٹھارویں صدی میں تھے، گو کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کا رویہ قدرے معتدل اور معقول ہو گیا۔اس دور کے بارے میں ڈاکٹر نثار احمد لکھتے ہیں:"اس دور میں ان کے ہاں لغویات کم ہو گئیں اور الزامات واتہامات کا دائرہ سمٹ کر محدود ہو گیا۔صورت حال نے کلیسا کا طلسم توڑ کر ایسے مستشرقین بھی پیدا کر دیے جنہوں نے جرات سے کام لے کر اپنے پیشرو مصنفین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا۔اپنی سرگرمیوں کو منظم و مرتب کرنے کے ضمن میں مستشرقین نے اس دور میں متعدد تحقیقی ادارے قائم کیے مثلاً سوسائٹی ایشیاٹک آف پیرس 1822ء، رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ بریٹن اینڈ آئرلینڈ 1823ء وغیرہ۔"[7] اس دور میں اگرچہ مستشرقین نے مقبولیت اور انصاف پسندی کا ثبوت پیش کیا اور پیغمبر اسلام کی مدح و توصیف میں بھی بخل سے کام نہیں لیا لیکن اس تمام تر معقولیت کے باوجود ان کے متقدمین کے قائم کیے ہوئے خیالات ان کے ذہنوں میں بھی رچے بسے رہے۔چنانچہ متعدد علماء نے ان کے دجل وفریب کا پردہ چاک کیا ہے۔ڈاکٹر عماد الدین خلیل مستشرقین کی تحقیقی بے راہروی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"پیغمبر اسلام سے متعلق مستشرقین کے موقف کی تشکیل ایک ایسے دینی دائرہ میں ہوتی ہے جس میں قومی تعصب،بغض و کینہ اور نفرت و کدورت کی کار فرمائی ہوتی ہے اور ان کی ارادی و غیر ارادی دونوں طرح کی جہالت اس کا احاطہ کیے ہوتی ہے۔اسی لیے پیغمبر اسلام کی شخصیت اور عام لوگوں کے درمیان ناقابلِ عبور گھاٹیاں اور تہہ بتہہ تاریکیاں حائل ہو گئی ہیں۔غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مستشرقین کی بحث و تحقیق اور ان کا مطالعہ و تجزیہ نہ معروضی و موضوعی ہے اور نہ تاریخی و علمی،بلکہ وہ سب و شتم کا ایک

لامتناہی سلسلہ ہے جس میں کلیسا کی دینی اور تقدس مآب شخصیات کے ساتھ غیر دینی اور لامذہبی افراد بھی حصہ لیتے رہے ہیں اور یہ سیلاب بلاخیز آج تک رواں ہے۔"[8] سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی گہری اور دوررس بصیرت کی بنا پر مستشرقین کے دجل و فریب اور ان کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کو بھانپا، اور اس کے امتِ مسلمہ پر مرتب ہوتے اثرات کو دیکھ کر آپ نہایت مضطرب ہوئے اور اسے مسلمانوں کے لیے بہت بڑا خطرہ اور طوفان قرار دیا۔ مستشرقین کے دجل و فریب کو آپ نے جس طرح آشکارا کیا اس کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے۔ مصنف کے مطابق: مستشرقین کے ایک بڑے طبقہ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ اسلامی شریعت، مسلمانوں کی تاریخ، اور تہذیب و تمدن میں کمزوریوں اور غلطیوں کی تلاش و جستجو میں وقت صرف کریں، اور سیاسی و مذہبی اغراض کی خاطر رائی کا پربت بنائیں، اس سلسلہ میں ان کا رول بالکل اس شخص کی طرح رہا ہے، جس کو ایک منظم و خوش نما و خوش منظر شہر میں صرف سیورلائنز، نالالیاں، گندگی اور گھورے نظر آئیں، جس طرح محکمہ صفائی کے انچارج کا کسی کارپوریشن اور میونسپلٹی میں فریضہ منصبی ہوتا ہے کہ اس طرح کی رپورٹ پیش کرے، وہ متعلقہ ڈپارٹمنٹ کو جو رپورٹ پیش کرتا ہے اس میں طبعی طور پر قارئین کو سوائے گندگیوں اور کوڑے کرکٹ کے تذکرہ کے عام طور پر کچھ نہیں ملتا۔"[9] مزید لکھتے ہیں: فنری كثيرا من المستشرقين يركزون كل جهودهم و مساعيهم على تعريف مواضع الضعف في تاريخ الاسلام ومجتمعه ومدنيته، حتى في ديانته وشريعته، وتمثيلها في صورة مروعة مضخمة، انهم ينظرون إليها عن طريق' المهجر' ويعروضونها كذلك للقراء حتى يروح الذرة جبلا، والنقطة بحرا۔[10] "ہم بہت سے مستشرقین کو یہی کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ اپنی ساری کدوکاوش، تاریخ اسلام، اسلامی معاشرہ، تہذیب و تمدن، اور ادب و ثقافت ۔۔۔ میں جھول اور کمزوریوں کی تلاش میں صرف کرتے ہیں، پھر ہولناک اور ڈرامائی انداز میں ان کو پیش کرتے ہیں، وہ خوردبین سے ان کا پتہ لگا کر اپنے قارئین کے سامنے ذرہ کو پہاڑ اور قطرہ کو دریا بنا کر پیش کرتے ہیں۔" (۲) بہت سے مستشرقین کا یہ بھی طریقہ رہا ہے کہ وہ پہلے ایک مقصد متعین کر لیتے ہیں، پھر ہر ممکن طریقہ سے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ رطب و یابس معلومات (جن کا بعض اوقات موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا) دینی، تاریخی اور ادبی کتابوں بلکہ شعر و شاعری، قصوں کہانیوں، مسخروں کی خوش گپیوں اور طنز نگاروں کی نگارشات (خواہ وہ کتنی ہی سطحی اور بیہودہ ہوں) سے معلومات اخذ کرتے ہیں، پھر مکمل فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی بنیاد پر ایسے علمی نظریات قائم، کرتے ہیں جن کا ان کے ذہن و دماغ کے علاوہ کہیں وجود نہیں پایا جاتا۔[11] (۳) ان میں سے بہت سے مستشرقین اپنی کتابوں اور مضامین میں زہر کی ایک خاص مقدار بہت احتیاط سے ملاتے ہیں جو تناسب سے بڑھنے نہ پائے، اور قارئین کے لیے وحشت کا باعث نہ بنے، اور ان کو بیدار اور محتاط نہ بنا دے، نیز محقق علام کی انصاف پسندی اور خلوص نیت مشتبہ نہ کر دے، اس طرح کے مستشرقین کی تصنیفات ان مخالف مصنفین کے مقابلہ میں زیادہ اثر ضرر رساں اور خطرناک ہوتی ہیں، جو کھل کر دشمنی کا اظہار کرتے ہیں، اور جن کی کتابوں میں دجل و فریب و افتراپردازی عریاں طریقہ پر نظر آتی ہے، کیونکہ مذکورہ الصدر کتابوں کا مطالعہ کرنے والا، متوسط درجہ کا کتاب خواں، ان کو پڑھنے کے بعد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔[12] (۴) مسیحی مستشرقین کی تحریروں میں جو مشینری اسپرٹ، جنگ صلیبی کی یادوں کی تلخی، ترکوں سے عصبیت، ان کے خلاف انتقامی جذبہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے، وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں ہے۔ ان مستشرقین میں (جو عالم اسلام کے لیے سیکولرزم اور اسلامی شریعت و قانون سے بغاوت اور بے اطمینانی کے سب سے بڑے مبلغ ہیں) بڑی تعداد یہودیوں کی ہے، جو اپنے مذہب اور ہم مذہبوں کے بارے میں سخت

قدامت پسند، احیاءپرست اور غیر رواداری واقع ہوئے ہیں۔[13] والذي يعرف كيف يطبق قادة الاقطار الاسلامية والقائمون على حكوماتها، وادارتها سياسة التربية والثقافة والاعلام و مشاريع قادة الفكر الغربيين و ساسة الغرب و علماءه من المستشرقين[14]

مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے بالکل صحیح سمجھا کہ محض فوجی برتری و اقتدار اور محض سیاسی تنظیم و استحکام اور نئے اور موثر اسلحہ و طریقِ جنگ کافی نہیں، کسی ملک کو مستقل طور پر غلام رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کا تعلیم یافتہ اور مثقف طبقہ قوت حاکمہ سے ذہنی طور پر مرعوب ہو، اس کے لیے انہوں نے مستشرقین کو تیار کیا، بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین محض اپنے علمی ذوق کی بنا پر تحقیق و تصنیف کا کام نہیں کرتے علمی ذوق تو محدود ہوتا ہے لیکن استشراق کے پیچھے سیاسی واستعماری مقاصد اور سرپرستی کام کرتی ہے۔ یہ اس زمانہ کا سب سے بڑا خطرہ ہے اور اس خطرہ کا جو مرکز ہے اس کو اور اس کے ہتھیار اور ہتھیار استعمال کرنے والوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔[15] سید ابوالحسن علی ندوی کے مطابق تحریکِ استشراق نے تحقیقاتِ اسلامی میں سائنٹفک طریقہ کار اختیار کیا، اس کے باوجود اس نے مشرق و مغرب کے مابین کشمکش کو دور کرنے کی بجائے اس میں اضافہ ہی کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے مغرب اور اہلِ مغرب کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں کی۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

> Orientalism has, alas, for all its apparent scientific method, failed to be genuinely scientific or bridge the gap between East and West. It has failed to give to the west what the soul of many a westerner, disillusioned by the emptiness of a materialistic civilizations, has long been seeking, namely, a true and full picture of religion in general and of Islam in particular.[16]

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مغرب اور مشرق، بالخصوص اسلام کے مابین ایک وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے۔ دینِ اسلام کی رو سے تو اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ** [17] ترجمہ: کہہ دیجیے اللہ ہی مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مصنف نے مشرق و مغرب کے مابین موجود کشمکش کو درج بالا اور اسی طرح کی دیگر آیاتِ مبارکہ کی بنا پر دور کرنے کا حل پیش کیا ہے۔

امتِ مسلمہ پر تحریکِ استشراق کے اثرات

مستشرقین کی تحریروں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے حوالے سے بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔ تحقیق کے میدان میں ان کی لگن اور جستجو نے مسلمانوں کے بالخصوص عالمِ عرب کے ایک تعلیم یافتہ اور مہذب طبقے کو متاثر کیا ہے، بلکہ ان مسلم اسکالرز نے ان کی کتب سے بطورِ ماخذ و مصدر استفادہ کیا اور یوں ان کے مکر و فریب کا شکار ہوگئے۔ جیسا کہ سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے: عالم اسلام اور ممالک عربیہ کی علمی کمزوری، پست ہمتی اور بے مائیگی کی یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ ممالک ایک طویل زمانہ سے خالص اسلامی موضوعات پر مستشرقین کی کتابوں کو ماخذ و مرجع سمجھتے ہیں، اور ان کے نزدیک ان کی یہ محققانہ کتابیں "کتاب مقدس" کی حیثیت رکھتی ہیں، مثال کے طور پر آر اے نکلسن (R.A Nicholson) کی کتاب (A Literary History of Arabs) (تاریخ ادبیات عرب)، ڈاکٹر ہٹی کی کتاب (History of the Arabs)، کارل بروکلمان کی جرمن زبان میں کتاب (تاریخ عربی ادبیات) اور گولڈ زہر کی (Introduction To Islamic Theology and

(Law، شاخت کی کتاب (The Origins of Mohammadan Law)، ڈبلیو۔ سی سمتھ کی کتاب (Islam in Modern History)، اور مونٹگمری واٹ کی تصنیفات (Muhammad in Makkah)، اور (Muhammad in Madina) وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کتابوں کے بارے میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ اپنے موضوع پر یہ منفرد تصنیفات ہیں، اسلامی مشرق کی یونیورسٹیوں کے عربی زبان وادب اور اسلامیات کے شعبوں میں ان کو اہم علمی مآخذ گردانا جاتا ہے۔[18] مزید برآں یہ کہ اسلامی ممالک کا حکمران طبقہ اور دیگر تربیتی، ثقافتی اداروں کے ذمہ داران، مغربی سوچ کے حاملین رہنماؤں اور سیاست دانوں اور مستشرقین اسکالرز کے منصوبوں کو نافذ کرتے ہیں۔ جیسا کہ مصنف نے تذکرہ کیا ہے: والذی یعرف کیف یطبق قادة الافکار الاسلامیة والقائمون علی حکومتہا، و ادارتہا سیاسة التربیة والثقافة والاعلام و مشاریع قادة الفکر الغربیین و ساسة الغرب و علماءہ من المستشرقین[19] عالمِ اسلام اور بالخصوص عالمِ عرب سے مسلمان اعلی تعلیم کے حصول کے لیے یورپ گئے۔ وہاں مغربی جامعات میں مستشرقین اساتذہ سے کسبِ فیض کرنے کے بعد اور یورپ میں ایک عرصہ زندگی گزارنے کے بعد مغربی تہذیب کے رنگ میں ڈھل گئے۔ مصر کے علماء و فضلاء کی حالت کو سید ابوالحسن علی ندوی نے یوں بیان کیا ہے: "یورپ سے تعلیم پا کر آنے والے عرب فضلاء کی یہ حالت تھی کہ مغربی روح ان کے اندر پوری طرح سرایت کر چکی تھی وہ اسی کے دماغ سے سوچتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسی کے پھیپھڑوں سے سانس لیتے تھے۔ وہ اپنے مستشرق اساتذہ کی صدائے بازگشت بن کر وہی خیالات و نظریات پورے یقین و وثوق اور پورے جوش و سرگرمی کے ساتھ اپنے ملک میں پھیلانے کی کوشش کرتے، دنیا کے کسی گوشہ میں اگر کوئی مستشرق کوئی نظریہ یا خیال پیش کرتا تو مصر میں نہ صرف اس کی حمایت کرنے والا بلکہ پورے خلوص اور پورے زور قلم اور انشاء پردازی کے ساتھ اس کا شارح وداعی کوئی نہ کوئی ادیب اور مفکر اسی وقت مہیا ہو جاتا۔ مثلاً قرآن مجید کا انسانی تعبیر کا نتیجہ ہونا، دین وسیاست کی تفریق، اسلام کی نظام حکومت سے یکسر بے تعلقی اور اس کا محض ایک اعتقادی، اخلاقی اور عبادتی نظام ہونا، سیکولرازم کی دعوت، عربی زبان وادب کے اولین ماخذ (شعر جاھلی وغیرہ) کی صحت و ثبوت سے انکار، حدیث کی قیمت، حجیت، اور سنت کی صحت کا انکار یا تشکیک، عورتوں کی آزادی اور مردوں کے ساتھ مساوات کلی اور بے پردگی کی تلقین و تحریک، فقہ اسلامی کو رومن لاء سے ماخوذ اور اس کی سپرٹ سے متاثر قرار دینا، قدیم تہذیبوں کے احیاء کا نعرہ، عہد فرعونی کی تقدیس، اس کی تہذیب، ادب اور کارناموں پر فخر، مقامی عامی زبان میں تصنیف و تالیف اور لاطینی حروف کو اختیار کرنے کی دعوت، مغربی قانون کی بنیاد واصول پر قانون سازی اور عربی قومیت اور مادی سوشلزم، اور بعض وقت مارکسی کمیونزم کی دعوت (جو حال میں زیادہ نمایاں ہوگئی ہے) ان سب چیزوں میں مغربی فکر بلکہ مغربی طرز ادا اور تعبیر تک کے گھنے سائے آپ کو اہل عرب کے دماغوں اور ان کی تحریروں پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے نظر آئیں گے وہ اس پر اس طرح چھاگئے جس طرح بڑے درخت نوخیز پودوں کو اپنے سایہ میں لے لیتے ہیں، مغربی فکر کا عکس ان پر اس طرح پڑتا نظر آتا ہے جس طرح کسی شفاف آئینہ میں آفتاب کا عکس۔[20]

ڈاکٹر طہ حسین یورپ کے تعلیم یافتہ معروف مصری اسکالر ہیں۔ نہ صرف خود مغربی تہذیب کے حد درجہ دلدادہ بلکہ دوسروں کو بھی مغربی تہذیب کو اپنانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: " ہمیں اہل یورپ کے طریقہ پر چلنا چاہیے اور ان کی سیرت وعادت اختیار کرنا چاہیے تاکہ ہم ان کے برابر ہو سکیں اور تہذیب کے خیر و شر، تلخ و شیریں، پسندیدہ و ناپسندیدہ ہر چیز میں ان کے رفیق کار اور شریکِ حال ہو سکیں۔"[21] مصر کے بعض ادباء و مصنفین نے مغربی تہذیب کو پورے طور پر قبول کر لینے، اس تہذیب و تمدن کو اپنے لئے ایک اعلی اور

مثالی نمونہ تصور کرنے کی اعلانیہ دعوت دی، مصر پر مختلف اسباب کی بنا پر مغربی تہذیب کا رنگ روز بروز گہرا ہوتا جارہا تھا، وہ برابر مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا، قریب تھا کہ اس کا تعلیم یافتہ اور مرفہ الحال طبقہ مغربی معاشرہ و تہذیب کی ہو بہو تصویر بن جائے۔ ڈاکٹر طہ حسین نے اس کو مغربی زندگی و تہذیب کا نمونہ قرار دیا اور اپنی مشہور اور مقبول کتاب "مستقبل الثقافۃ فی مصر" میں لکھتے ہیں: "ہماری مادی زندگی سوسائٹی کے اونچے طبقوں میں (افراد اور جماعتوں کے معیار زندگی اور وسائل کے بقدر) وہ مغربی زندگی سے متاثر ہے، جن کا معیار زندگی بلند ہے، اور ان کے پاس وسائل زیادہ ہیں، وہ مغربی زندگی سے زیادہ متاثر و قریب ہیں، اور جن کے پاس اس کی کمی ہے، وہ (مجبوراً) اس سے دور ہیں اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک مصری کی دنیاوی اور مادی زندگی کے لیے اعلیٰ نمونے (آئیڈیل) وہی ہے جو ایک مغربی کی مادی زندگی کا ہے۔"[22] ان کے انھی خیالات کی بنا پر ابوالحسن علی ندوی ان کی شخصیت کا تعارف دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "طہ حسین، جدید عربی ادب کے سرخیل اور نئے نوجوانوں کے مثالی ادیب و مفکر ہیں۔ مغربی تمدن و فلسفہ کے گرویدہ اور فرانسیسی ثقافت و، ادب کے دلدادہ ہیں ان کو فرانس سے گہرا ذہنی و ادبی لگاؤ تھا، انہوں نے ایک فرنچ خاتون سے شادی کی، ان کی اولاد کی تعلیم و تربیت بھی فرانسیسی ماحول میں ہوئی، ان کو فرانسیسی زبان و ادب پر اچھی قدرت تھی، اور انہوں نے اس کے بڑے ادبی ذخیرہ اور خیالات کو عربی میں منتقل کیا ہے، ان کی کتابوں میں مستشرقین کے خیالات و تحقیقات کا کامل عکس پایا جاتا ہے، ان کو ان کے بنیادی خیالات کو پھیلا کر بیان کرنے کا خاص ملکہ ہے، ذہنی اپج، طبیعت کی بے چینی اور جدت پسندی ان کی خصوصیات ہیں۔"[23] مغربی مستشرقین اور ان کی تحقیقات و افکار کا اثر موجودہ عالم اسلام کے رہنماؤں اور حکمران طبقہ، جس نے عام طور پر اعلی مغربی تعلیم گاہوں میں تعلیم پائی ہے یا مغربی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے، پر بھی پڑا ہے۔ جیسا کہ سید ابوالحسن علی ندوی نے لیبیا کے سابق صدر مرحوم کرنل قذافی کے بارے میں لکھا ہے: "کرنل قذافی نے جمال عبدالناصر کے انتقال کے بعد مختلف ملکوں میں انقلاب کا نظریہ عام کرنے اور وہاں قائم نظاموں کے خلاف رجحانات کو تقویت پہنچانے کا کام اپنے ذمہ لیا، انہوں نے سرمایہ داری اور اشتراکیت، مذہب اور مغربی تمدن اور افکار کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور کچھ ایسے اقدامات کیے اور بیانات دیئے، جو اسلام کے تسلیم شدہ افکار و نظریات کے خلاف تھے۔ ان کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کو محض عبادات تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔ عبادت اور عام زندگی کے بارے میں ان کا تصور تونس کے حبیب بورقیبہ کے بعض افکار سے بہت قریب ہے جو مستشرقین کی طرف سے پیدا کیے ہوئے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا نتیجہ ہیں۔[24] اس کے علاوہ اخبارات کی بعض اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ قرآن اور نماز کے طریقہ پر بھی قذافی کے خیالات تسلیم شدہ اسلامی عقائد و فکر سے مختلف ہیں، جن کا اظہار انہوں نے مختلف مجالس میں کیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے خیالات کا مرجع مستشرقین اور اعدائے اسلام کے اقوال و نظریات ہیں یا ان کے ذہن کی تشکیل ہی ایسے ہوئی ہے جس سے اس طرح کے تفردات کا اظہار ہوتا ہے۔[25]

ہندوستان کی تعلیم گاہوں میں بھی مغربیت کے اثرات کو عصرِ جدید کا چیلنج قرار دیتے ہوئے مولانا ندوی لکھتے ہیں: "آج فلسفہ و سائنس سے وہ الحاد اور تشکک نہیں پیدا ہو رہا ہے جس نے انیسویں صدی کے علمائے حق کو مضطرب اور بے قرار بنا دیا تھا، آج اس کے برخلاف سیاسیات و معاشیات اور تاریخ و ادب سے الحاد و تشکیک کا کام لیا جارہا ہے، علوم عمرانیہ (سوشیالوجی) اور انگریزی ادب کے ذریعہ مذہب بیزاری اور ذہنی انتشار پیدا کیا جاتا ہے، آپ کے لیے شاید ایک حیرت انگیز انکشاف ہوگا کہ آج بہت سی یونیورسٹی کے عربی و اردو کے شعبے الحاد و تشکیک کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔"[26]

تحریکِ استشراق اور محققینِ اسلام کی ذمہ داری

جس دور میں مستشرقین تصنیف و تالیف میں سرگرم تھے اور اسلامی کتب کی دریافت اور تدوین میں کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے تھے، امتِ مسلمہ تحقیق واکتشاف کے معاملہ میں جمود کا شکار تھی۔ اس وقت بھی اور اب بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی تصانیف سے مشرق و مغرب کو روشناس کروائیں جس سے اسلام کی حقیقی تصویر سے وہ متعارف ہوں۔ اس ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں: "یہ ادباء اور اہل قلم اپنے ملک اور ملت پر اور اپنی زبان و ادب پر بڑا احسان کرتے اگر یہ مغربی زبانوں کی ان کتابوں کو عربی میں منتقل کرتے جو سائنٹیفک علوم پر لکھی گئی ہیں، اور جن سے عالم عربی کا کتب خانہ اب بھی خالی ہے، جس طرح جاپان کے ادباء واہل قلم نے کیا اور اس کی بدولت اپنے ملک کو ایک ایسا صنعتی ملک بنادیا جو طبعی علوم اور صنعتی علوم میں یورپ کے بڑے سے بڑے ملک سے آنکھیں ملا سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی تمام تر توجہ اور دلچسپی کا مرکز صرف ادبیات، علوم عمرانیہ، فلسفہ، تاریخ، ناولیں، افسانے اور الحاد وبغاوت اور فکری انتشار کے داعیوں اور علمبرداروں کی تصانیف تھیں، جنہوں نے ان اسلامی ممالک میں بھی ایک نیا فکری انتشار اور اخلاقی انارکی پیدا کردی۔ اور قومی شخصیت و کردار کو اور کمزور کردیا اور یہاں غیر ضروری طریقہ پر افکار واقدار اور مکاتب فکر کی ایک نئی کشمکش پیدا ہوگئی۔ اس مغربی رجحان اور فکر کو مقبول بنانے کی کوشش میں مصر کے بعض چوٹی کے اہل قلم اور صاحب طرز انشاپرداز شریک تھے۔"[27] مزید لکھتے ہیں: "مستشرقین کے منفی اثرات کے ازالہ اور اس عظیم نقص کی اصلاح کے لئے علمائے اسلام، محققین ومفکرین اور مسلمان ریسرچ اسکالرز کی ذمہ داری ہے کہ وہ علمی موضوعات پر محققانہ اور "اوریجنل" بحثیں تیار کریں، اور عالم اسلام کو صحیح اور قابل اعتماد معلومات اور اسلام کے صحیح تصورات اور حقائق سے (ان خوبی اور امتیازات کا لحاظ کرتے ہوئے جو مستشرقین کی خصوصیات سمجھی جاتی ہیں) روشناس کریں بلکہ علمی اسلوب واصول بحث، مجتہدانہ تحقیق ودقت نظر، وسعت مطالعہ، ماخذ ومراجع کی صحت واستناد اور پرزور استدلال واستنتاج میں ان پر بھی فوقیت لے جائیں، اور ان غلطیوں اور علمی کمزوریوں سے بھی محفوظ ہوں، جن کے عام طور پر مستشرقین شکار ہوتے ہیں۔"[28]

بحث وتحقیق میں عالم اسلام کی کوششوں کا اجمالی جائزہ

مستشرقین کی تحقیقی وعلمی کاوشوں کے جواب میں مسلمان علماء اور محققین کی ذمہ داری تھی کہ وہ بھی علم وتحقیق کے میدان میں سعی وکوشش کرتے، اور مستشرقین کی علمی، تہذیبی اور فکری یلغار کے آگے بند باندھتے تاکہ امتِ مسلمہ ان کے دجل وفریب سے محفوظ رہتی۔ سید ابوالحسن کے مطابق صرف ہندوستان واحد ایسا ملک ہے جس کے علماء نے مستشرقین کی یلغار کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "ان ممالک میں جو اسلامی و مغربی تہذیبوں اور فلسفوں کی آویزش کا میدان تھے۔ ہندوستان کو یہ امتیاز و فخر حاصل ہے کہ اس سلسلہ کا سب سے بڑا کام اس کی سرزمین پر انجام پایا۔ یہ حقیقت ہے کہ اگرچہ وہ براہ راست برطانیہ کے زیر اقتدار تھا، جو مغربی تہذیب وتمدن کا سب سے بڑا نمائندہ اور سب سے پرجوش داعی تھا، اور اس کی غلامی کی مدت پر پوری ایک صدی گزر گئی، نیز اس کا مغربی تعلیم کا سب سے بڑا ادارہ کالج علی گڑھ عرصہ تک تجربہ کار انگریز فضلاء کے زیر اثر اور ان کی رہنمائی میں رہا۔ لیکن اس سب کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کا دینی شعور اور ان کی غیرت اسلامی دوسرے مسلم وعرب ممالک کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں اور فعال رہی۔"[29] سید ابوالحسن علی ندوی نے اسلامی ممالک میں ہونے والے علمی اور تحقیقی کام کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ ان کی بیان کردہ تفصیلات کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے۔ اسی دینی غیرت وحمیت کا جو ہندوستانی مسلم قوم کا طرہ امتیاز رہا ہے، یہ نتیجہ ہے کہ مسیحیت کے رد، اور عہد قدیم وعہد جدید تورات وانجیل پر فاضلانہ تنقید کے سلسلہ کی سب

سے اہم اور وقیع کتابیں اسی ملک میں مرتب ہوئیں۔ہندوستانی مسلم قوم نے مشنری چیلنج کا دوبدو مقابلہ کیا اور اس رزم گاہ میں سب سے پہلے قدم رکھا۔اس اقدامی (نہ کہ دفاعی) تحریک کی قیادت و سربراہی کے لیے اللہ تعالی نے ایسے باصلاحیت افراد پیدا فرمائے جنہوں نے اس کام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، ان میں سرفہرست مجاہد وقت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی شخصیت ہے، جن کے اندر اس عظیم کام کے انجام دینے کے لیے تمام علمی مناظرانہ اور خدادادی صلاحیتیں موجود تھیں۔انگریزی زبان سے ناواقفیت کی کمی کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے انہیں ڈاکٹر محمد وزیر خان اکبر آبادی کی خدمات اور معاونت نصیب فرمائی۔مولانا صاحب کی دو کتابیں میزان الحق اور اظہار الحق مسیحی عقائد کی تردید و تبطیل میں لاجواب ہیں۔ان مصنفین کے علاوہ مولانا آل حسن موہانی، مولانا عنایت رسول، مولانا عبد الحق حقانی، سید محمد علی مونگیری، قاضی سلیمان منصور پوری، سید نواب علی اور مولانا ثناء اللہ امر تسری نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا۔ بعد ازاں مصنف نے انگریزی زبان میں تصانیف تحریر کرنے والوں میں سید امیر علی کی کتاب (The spirit of Islam)اور A short Historyof The Saracens) اور ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی فکر انگیز کتاب (Reconstruction of Religious Thought in Islam) کا تذکرہ کیا ہے۔سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی معاصر شخصیات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ڈاکٹر مصطفی اعظمی کی محققانہ تصانیف کو اسلام کی عظیم خدمت قرار دیا ہے۔نو مسلم مصنفین میں سے محمد اسد اور مریم جمیلہ کی نگارشات کا بھی ذکر کیا ہے۔

اداروں کی خدمات

اداروں کی خدمات اسلام کے تذکرہ میں سب سے پہلے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کے شائع ہونے والی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔دارالمصنفین کے بارے میں لکھتے ہیں:" دارالمصنفین (ہماری معلومات کی حد تک) سب سے پہلی علمی و تحقیقی اور غیر سرکاری اکیڈمی ہے، جس کا قیام مغرب کے فکری حملوں اور مستشرقین کی مسموم تصنیفات اور مضامین کی تردید، تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات کی برتری پر مطمئن کرنے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم شخصیت و سیرت، اور اس نسل کے کارناموں سے واقف کرانے (جس نے آغوش نبوت میں تربیت پائی تھی) اور اسلام کے علمی و تحقیقی سرمایہ سے متعارف کرانے کی خاطر عمل میں آیا۔"[30] اس مکتب فکر کے فضلاء نے عالمانہ و ادیبانہ طرزِ تصنیف و حسن ترتیب کے میدان میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔ان کی کتابوں نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت، مسلمانوں کی تابناک تاریخ اور ان کی علمی و تمدنی خدمات کو اس طرح پیش کیا، جس نے اسلام کی برتری اور عظمت اور احساس کمتری کو دور کرنے میں موثر کردار ادا کیا۔ بعد ازاں مصنف نے علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی تصنیفات کو بطور خاص ذکر کرتے ہوئے ان کی تصانیف کو زندہ و جاوید قرار دیا۔ان کے علاوہ دیگر متعدد مصنفین کے نام ذکر کیے ہیں۔ تیسرا اہم ادارہ ندوہ المصنفین دہلی ہے۔ جس کے بانی اور ناظم مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی ہیں۔ اس مجلس سے بہت سی اہم اور قابل قدر مطبوعات شائع ہو چکی ہیں۔ جن کو اسلامی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد عالم اسلام کے ان عظیم الشان اداروں میں ہے جنہوں نے قدیم علمی و دینی کتابوں کے (جو ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں) احیاء اور قدیم کتب خانوں کے دفینوں سے علمی جواہرات کو برآمد کرنے، اور تصحیح و تحقیق کے ساتھ نشر و اشاعت کا کام انجام دینے میں تاریخی کردار انجام دیا ہے۔ دیگر محققین اور مفکرین میں مولانا ابوالکلام آزاد، سید مناظر احسن گیلانی، مولانا عبد الماجد دریا آبادی، مولانا عبد الرؤف دانا پوری، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور دیگر علماء و محققین کی تصنیفی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ پاکستان کے مشہور اسلامی مصنفین میں

پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، عبد القدوس ہاشمی، مولانا تقی عثمانی، پروفیسر خورشید احمد اور مولانا امین احسن اصلاحی کا۔ خصوصی ذکر کیا ہے۔ پاکستان کے اداروں میں ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، اور مجمع البحوث الاسلامیہ کا ذکر کیا ہے۔

عالم عربی میں تصنیف و تالیف کا کام

مصنف کے مطابق عالم عرب میں وسائل و امکانات کی کثرت کے باعث جس طرح سے کام ہونا چاہیے تھا لیکن اس طرح سے ہوا نہیں۔ لیکن بہر حال ایسی مثالیں موجود ہیں جن کو علمی و تحقیقی کوشش کا اچھا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کتابوں میں سر فہرست ڈاکٹر احمد امین کی فجر الاسلام، ضحی الاسلام، اور ظہر الاسلام قابلِ تنقید و شاذ آراء کے باوجود، قدیم ماخذ و مراجع میں منتشر مواد کو یکجا کرنے اور ترتیب دینے، اور ان کا تجزیہ کرنے اور ان کے نتائج نکالنے میں (جو مستشرقین کا امتیاز سمجھا جاتا ہے) بلند پایہ اور قابل قدر تصنیفات ہیں۔ علاوہ ازیں امیر البیان امیر شکیب ارسلان، خیر الدین الزرکلی، عباس محمود العقاد، علامہ محمد کرد علی، ڈاکٹر جواد علی، محمود شیر خطاب کی تصنیفی خدمات قابل ذکر ہیں۔[31] لہذا ضروری ہے کہ عالمِ اسلام تحقیق و تصانیف کے ذریعے مستشرقین کی مسموم آلود کتابوں پر نقد و جرح کرے، اور ایسی کتب منصۂ شہود پر لائیں جن سے مستشرقین استفادہ کریں اور پھر اپنی آراء اور خطاؤں کی اصلاح کر لیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ولا بد اذا اراد العالم الاسلامي ان يقوم على قدميه ويفكر بعقله ان يقاوم هذا الخضوع ويكون فيه علماء عماليق و كتاب جهابذه يتناولون الحضارة الغربية بالنقد والتشريح، و كتابات المستشرقين واراءهم بالجرح والتعديل، ويتبحرون في العلوم الاسلاميه ويتعمقون فيها حتي يفيد منهم كبار المستشرقين في اوروبا وامريكا ويصححون بهم ارائهم و اخطائهم[32]

نوجوانوں کی ذہنی تطہیر و اصلاح

مغربی تہذیب کے نظریات و افکار اور مستشرقین کی تحقیقات اور مباحث نے مسلمان نوجوانوں اور خاص طور پر یورپ میں حصولِ تعلیم کی غرض سے جانے والے مسلمانوں کو متاثر کیا۔ نوجوان کسی بھی قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سید ابوالحسن کو ان نوجوانوں کے عقیدہ و ایمان کی بے حد فکر تھی۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے: مستشرقین اور ان کی "تحقیقات" دعاوی اور مباحث سے مغربی استعمار نے جو کام لیا وہ ان کے لئے مفید ثابت ہوا، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سے مغربی استعمار مشرقی ممالک سے بے دخل ہوا یا بعض جگہ بالکل کمزور ہو گیا۔۔۔ مستشرقین کا وجود محض عالم اسلامی کے علمی، مذہبی طبقہ کے بارہ میں، دین کی تاریخ کے بارہ میں، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں، اور قرآن مجید کے بارے میں، اور پھر فقہ اور علم کلام کے بارے میں اعتماد کو متزلزل کرنا تھا۔ اس وقت کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہمارا جو نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہے اس کے اندر احساس کہتری پیدا ہو رہا ہے۔ وہ جو کتابیں پڑھتے ہیں فرنچ میں، انگریزی میں، یہاں تو اس کا کم رواج ہے، بعض دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فرانس کے مقبوضات میں (مغربی، شمالی افریقہ کا علاقہ یہ فرانس کے ماتحت رہا ہے، مراکش اور الجزائر بھی فرانس کے ماتحت رہے ہیں، جس میں میں مغربی شمالی افریقہ کا علاقہ، یہاں تک کہ لیبیا، طرابلس تک فرانس کے ماتحت رہا ہے) تو یہاں فرنچ لٹریچر اور دوسرے ملکوں میں انگلش لٹریچر پھیلا ہوا ہے اور اس میں یہ سب اثرات تھے۔[33] فوری ضرورت ہے کہ اسلامی موضوعات پر عمیق و فکر انگیز معلومات اور محققانہ علمی کام کا سلسلہ جاری رہے جو تحلیل و تجزیہ، ماخذ و مراجع کے دیانت دارانہ حوالہ اور مفید و متنوع تفصیلی انڈکس سے معمور ہو۔ اور ساتھ ہی اس بات

کی بھی ضرورت ہے کہ ایسے خالص علمی اور تحقیقی کاموں میں بے جا تطویل وعبارات آرائی سے گریز کیا جائے اور حتی الامکان طنز وتضحیک اور مفروضات کے قائم کرنے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ اس طریقہ کار (طنز وتضحیک) سے بحث وتحقیق کا علمی وقار اور تحقیقی وزن جاتا رہتا ہے۔ جب تک یہ دونوں کام سر انجام نہ دیے جائیں گے اس وقت عالم اسلام کا وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو ذہین اور حوصلہ مند نوجوانوں پر مشتمل ہے، اور جو یورپ وامریکہ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہا ہے، یا خود اپنے ملک میں اسلام کا مطالعہ یورپین زبانوں میں کرنے کا عادی ہے، مستشرقین کے مسموم افکار اور ان کی ذہنی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتا۔[34] وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کے اصول وعقائد، اس کے مسلمات وحقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقہ کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ آج کی سب سے بڑی دعوتی واصلاحی خدمت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اوران نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے، جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے، اور اس کے قلب ودماغ کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔[35] یورپ اور امریکہ میں رہنے والے یا وہاں تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اس عظیم امت اسلامیہ کے فرد اور اس جسم کے عضو ہیں، وہ اسی خاندان کے فرد اور اس کے عالمگیر خاندانی ورثہ کے وارث ہیں، خاندان کے یہ معنی نہیں جسے جہلاء اور ناواقف لوگ خاندانی تعلقات اور رشتوں سے جوڑتے ہیں، اور نہ اس میں اس ترکہ کا مفہوم ہے، جو مستشرقین اور ناواقف محققین کا تصور ہے۔ وہ اس موضوع پر (legacy of Islam) کے نام پر کتابیں لکھ کر اپنی کم عقلی کا ثبوت دیتے ہیں، بلکہ خاندان اس عظیم اور عمیق معنی اور حقیقت کے لحاظ سے جو اہل دانش کی اصطلاح ہے، یعنی اس خاندان کے افراد جس نے علم اور دین کے راستہ میں خدمت وقربانی اور ایثار وجد وجہد کی راہ سے کوئی ممتاز مقام حاصل کیا ہو۔[36] میرے نوجوانو آپ اسلام کا از سر نو مطالعہ کریں اور ان خصوصیات اور اس کے روشن امتیازات کی روشنی میں غور کریں۔۔۔ آپ نئے طرز نئے انداز اور جدید خطوط پر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے مطالعہ میں اپنی سنجیدہ فکر کا استعمال کریں۔ آپ قرآن مجید کا مطالعہ کتابوں کی تشریحات سے نہیں بلکہ دل ودماغ کی فکر سے کریں۔۔۔۔ آپ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حدیث شریف کے مطالعہ میں اپنا قیمتی وقت صرف کریں اور صاحب سیرت سے شخصی محبت اور ذاتی تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں، یہ تعلق، مطالعہ، تحقیق، محبت، جذبات، تکریم، تعظیم اور اتباع وتقلید کی پاکیزہ بنیادوں پر قائم ہو۔[37]

خلاصۂ بحث

مستشرقین سے متعلق آپ کی تحاریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصر علماء کی بہ نسبت آپ کا اندازِ تحریر جداگانہ ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے مستشرقین، ان کی تصانیف اور ان کے مقاصد کے علاوہ واقعاتِ سیرت بیان کرتے ہوئے کئی مقامات پر ان کے اعتراضات نقل کرکے ان کی تردید وتکذیب کی ہے۔ مثلاً نبی اکرم ﷺ کے نسب کے حوالے سے مشہور مستشرق مارگولیتھ کا اعتراض نقل کرکے دلائل سے اس کی تردید کی۔[38] سر سید احمد خان نے خطباتِ احمدیہ میں ولیم میور کی کتاب میں سیرتِ نبوی ﷺ سے متعلق اعتراضات کا مدلل رد کیا۔ اسی طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں مستشرقین کے اعتراضات مثلاً یہ کہ قرآن کریم محمد ﷺ کی تصنیف ہے، حدیثِ نبوی چونکہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئیں لہٰذا غیر مستند ہیں، اور سیرتِ نبوی سے متعلق مثلاً تعدد ازواج، آپ ﷺ کا قریشی کاروانوں پر تاخت کرنا، آپ ﷺ مکے میں پیغمبر تھے اور مدینہ جاکر بادشاہ بن گئے نیز یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا وغیرہ اعتراضات کا عقلی ونقلی دلائل سے رد کیا۔ اس

کے برعکس مولانا ابو الحسن نے مغربی استعمار کے تناظر میں مستشرقین کے مقاصد، ان کی دسیسہ کاریوں اور ان کے امتِ مسلمہ پر منفی اثرات کی نشاندہی کی۔ آپ نے کسی متعین اعتراض کو لے کر اس پر نقد و تبصرہ نہیں کیا۔ مصنف نے چند غیر متعصب مستشرقین کی تصانیف کے قابلِ قدر ہونے، اور اسلام کے بنیادی مصادر و ماخذ کی تلاش و تدوین میں مستشرقین کی مساعی کی تعریف و تحسین کی۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس ضمن میں مستشرقین کی مساعی جلیلہ کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا ابو الحسن نے کسی ایک مستشرق اور اس کی تصنیف کو ھدف نہیں بنایا، اس کے برعکس آپ نے اکثر و بیشتر مستشرقین کے پورے گروہ کو لے کر ان کے دجل و فریب کو عیاں کیا ہے۔ مثلاً اسلام اور مستشرقین کے حوالے سے ہندوستان میں منعقدہ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "یہ سلبی ذہانت ہمارے مستشرق فضلاء میں بہ درجہ تمام پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں پر خوردبین لگا کر تاریخِ اسلام اور تمدنِ اسلامی اور پھر آگے بڑھ کر خاکم بدہن قرآن مجید اور سیرتِ نبوی میں وہ ذرے اور ریزے تلاش کرنا شروع کیے کہ جن سے کوئی جماعت اور شخصیت خالی نہیں ہو سکتی۔ ان کو جمع کر کے انہوں نے ایک ایسا مجموعہ تیار کرنا چاہا کہ جو ایک نہایت تاریک تصور ہی نہیں بلکہ تاریک تاثر اور تاریک جذبہ پیش کرے۔[39] مصنفِ علام کی تحریریں اس حقیقت کو منکشف کرتی ہیں کہ مستشرقین اور تحریکِ استشراق مسلمانوں اور بالخصوص امتِ مسلمہ کے نوجوان کے لیے زہرِ قاتل کا درجہ رکھتی ہیں۔ آپ نے تحریکِ استشراق کو مسلمانوں کے لیے خطرۂ عظیم قرار دیتے ہوئے انہیں ان کے دجل و فریب سے بچنے اور ان کی ذمہ داریوں سے انہیں آگاہ کیا۔ الغرض تحریکِ استشراق اور مستشرقین کے حوالے سے مولانا ابو الحسن علی کا تحقیقی اور دعوتی کام دینِ اسلام کی ایک گرانقدر سعی اور امتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم ہے۔

References

[1] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* (Lakhnaū , Majlith -e -Tehqīqāt wa Nashrīāt- e -Islām, Nadwat- al -Ulamā Lakhnaū, 2003), 255, 256.

[2] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Al–Muslimūn, Tajāh-al-Hazārah-al-Gharabīah,* (Jaddah, Dār-al-Mujtami al-Nasher wa al-Taūzei, 1997), 37-39.

[3] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Aūrbā, Amrica wa Israil, Kashf Haqīqah Sārikhah wa Tanbīh Ala Khatardāhim,* (Lakhnaū, Almajmei al- Islami al- Ilmī, Nadwah al -Ulamā,a, 1997) 22.

[4] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* Mutarjim: Syed Salmān Husainī Nadvī, (Lakhnaū, Majlith e -Nashriāt e-Islām, 1982), 11.

[5] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Maghrib sey Kuch Sāf Sāf Bātain,* (Lakhnaū, Majlith e-Nashriāt e-Islām, 2004), 27.

[6] Nadvī, *Maghrib sey Kuch Sāf Sāf Bātain,* 13.

[7] Dr. Nithār Ahmed, *Mutāliah Sīrat aūr Mustashriqīn,* Ma'ārif e-Azam Garh, 1984), 437.

[8] Imād ul Dīn Khalīl, *Mustashriqīn aūr Sīrat e- Nabvī,* Mutarjim: Umair al - Siddīq, Ma'ārif e -Azam Garh, 1983, 85.

[9] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 13, 14.

[10] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Al- Islāmiāt Bein Kitābāti il Mustashriqīn wa al-Bāhithīn al- Muslimīn,* (Beirūt, Mūassasah al- Risalah, 1986), 15, 16.

[11] Nadvī, *Al- Islāmiāt Bein Kitābāti il Mustashriqīn wa al-Bāhithīn al- Muslimīn,* 14, 15.

[12] Nadvī, *Al- Islāmiāt Bein Kitābāti il Mustashriqīn wa al-Bāhithīn al- Muslimīn,* 16.
[13] Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* 231.
[14] Nadvī, *Al-Hazārah-al-Gharbīa wa Athruhā fil Jaīl il Muthaqqaf,*(Qāhirah, Dār al - Sahwah al -Nasher wa Al-Taūzei,1985), 43.
[15] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Europe, Amrica aūr Isrāil, Aik Izhār e- Haqīqat, Inkishāf aūr Tanbīh,* (Lakhnaū, Majlith e -Nashriāt e - Islām, 1997), 16.
[16] Syed Abul Hassan Ali Nadvi, Muslims in the west the message and mission the Islamic Foundation London, 1983, p 30.
[17] Al -Baqarah, 142:2
[18] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 16, 17.
[19] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Al- Hazārah al- Gharbīa wa Athruhā fil Jaīl il Muthaqqaf,* (Qāhirah, Dār al - Sahwah al -Nasher wa Al-Taūzei, 1985), 43.
[20] Abū al- Hassan Alī Nadvī, *Al- Sirae bīn al- Fikrah al- Islāmīah wa al-Fikrah al - Gharbīah fil Aqtār il Islamiyah,*(Lakhnaū, Almajmei al -Islāmi al -Ilmī, Nadwah al - Ulamā,a, 1426AH), 106,107; Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Maūqaf al- Aālam il Islām Tajāh al -Hazārah al- Arabiyah,*(Lakhnaū, Almajmei al -Islāmi al -Ilmī, Nadwah al- Ulamā,a, 1963,78.
[21] Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* 156.
[22] Tāha Hussain, *Mustaqbil al -Thaqāfah fi Misr,* (Qāhirah, Dār al Maārif, 1938), 31.
[23] Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* 153,1
[24]Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* 222.
[25] Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* 225.
[26] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Asr e- Jadīd Kā Chalinj aūr uth ka Jwāb,* (Lakhnaū , Majlith -e -Tehqīqāt wa Nashrīāt- e -Islām, Nadwat- al –Ulamā, 1991, 31.
[27] Nadvī, *Muslim mumālik main Islāmīat aūr Maghrabīat kī kash makash,* 149,150.
[28] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 18.
[29] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 24.
[30] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 43.
[31] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 69-71.
[32] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Izā Khasaral Aālam bi Inhitāt il Muslimīn,* (Egypt, Maktabah al- Isnān al- Mansūrah, Imām Jāmiah al -Azher, 1981), 238.
[33] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Europe, Amrica aūr Isrāil, Aik Izhār e -Haqīqat, Inkishāf aur Tanbīh,* 19,20.
[34] Nadvī, *Islāmiāt aūr Maghribī Mustashriqīn wa Musalmān Musannifīn,* 20.
[35] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Nayā Tūfān aūr us ka Muqāblah,* (Lakhnaū , Majlith -e - Tehqīqāt wa Nashrīāt- e -Islām, Nadwat- al –Ulamā, 2009), 29.
[36] Nadvī, Abū al- Hassan Alī, *Hadith Mae al -Gharb,* (Beirūt, Dār al -Irshād Linasher wa Al-Taūzei, 1967), 63.
[37] Nadvī, *Hadith Mae al- Gharb,* 64.
[38] Shiblī Naumanī, *Sīrat al -Nabī,* (Lahore, Idārah Islāmīāt, 2002),135,136.
[39] Syed Sabāh al -Dīn Abd ar Rehmān, *Islam aur Mustashriqīn,* (UP Al- Hind, Dār al- Musannifīn Shiblī Academy Aazam Garh, 2007), 15,16.